اپنی دعوت کی رونق بڑھائیں اور نہ وہ اپنی زبان اور اپنے کلام کو ان چیزوں میں سے کسی چیز سے آلودہ کرتے۔ بلکہ ان جھوٹی اور نمائشی چیزوں کی جگہ وہ اس مقصد کے لیے دوسری چیزیں اختیار کرتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ جائز اور صحیح ہوتی ہیں بلکہ فطرت انسانی کے ساتھ وہ گہری مناسبت بھی رکھتی ہیں اور اس وجہ سے ان سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ جھوٹے ملمعوں کی طرح ایک ہی رگڑ میں اڑ نہیں جاتا بلکہ امتحان کی بھٹیوں میں جلنے کے بعد اس کا جوہر اور زیادہ نکھر کے سامنے آتا ہے۔

یہ بات کہ دعوت کا کام صرف اس طرز کے کلام سے نہیں چل سکتا جو علمی اور مجلسی قسم کی بحثوں کے لیے موزوں ہے اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک داعی کا کام واقعات کی روایات کرنے والے مورخ، قانون کی دفعات مرتب کرنے والے مقنن اور فلسفہ و ریاضی کے مسائل بیان کرنے والے ایک فلسفی اور عالم ریاضی سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف تو اس کا موضوع اتنا وسیع ہوتا ہے کہ ساری انسانی زندگی اس کے تحت آجاتی ہے، دوسری طرف اس کے مخاطب طبیعت و مزاج کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہیں اور ذہن و ادراک کے اعتبار سے بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے مشن کے ساتھ اس کا لگاؤ بھی اس طرح کا نہیں ہوتا جس طرح کا لگاؤ ایک مجلسی مضمون نگار کو اپنے مضمون کے ساتھ یا ایک وکیل کو اپنے مقدمہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اس کے لیے زندگی اور موت کا سودا ہوتا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اسے جی جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نہ تو وہ اتنی بات پر قانع ہو سکتا کہ جو بات اسے کہنی ہے کسی نہ کسی طرح ایک مرتبہ کہہ ڈالے اور نہ اتنے سے اس کا کام ہی بن سکتا، بلکہ لازماً اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جس بات کو بھی کہے ایسی وضاحت و خوبی کے ساتھ کہے کہ اس کا کوئی پہلو گنجلک نہ رہ جائے اور ایسے موثر اور دلنشین انداز میں پیش کرے کہ جس دل کے اندر سماعت حق کی ادنیٰ صلاحیت بھی ہو اس میں گھر کر جائے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي (اے میرے پروردگار، میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو (دعوتِ حق کے کام کو) آسان کر اور میری

زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں) نیز حضرت ہارون کے لیے دعا فرمائی کہ ان کو میرے اس کام میں شریک کردے تاکہ ان کی زبان آوری میرے نقصِ گویائی کی تلافی کر سکے اور یہ دعوت کا کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے ناتمام نہ رہ جائے۔

اب ہم بالاختصار ان چیزوں کی طرف اشارہ کرینگے جو انبیاء اور حق کے داعیوں کے کلام اور طرز استدلال کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کو ان کے کلام کی تاثیر میں، ان کی اعلیٰ سیرت اور پاکیزہ تعلیم کے سوا، ہر چیز سے زیادہ دخل ہے اور جن سے کوئی داعیِ حق بھی کسی زمانہ میں مستغنی نہیں ہو سکتا۔

۱- سب سے پہلی چیز جو ہمیشہ انبیاء اور حق کے داعیوں کی خصوصیات میں سے رہی ہے یہ ہے کہ انھوں نے جس قوم کو دعوت دی ہے اسی کی زبان میں دعوت دی ہے تاکہ قوم کے ہر گروہ اور ہر طبقہ پر اللہ کی حجت پوری ہو سکے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ (اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان پر اچھی طرح حق کو واضح کر سکے)۔ جس طرح یہ بات بالکل فطری اور معقول معلوم ہوتی ہے کہ ہر داعیِ حق کی دعوت کا اصل میدان اس کی قوم کو ہونا چاہیے اور اپنی قوم کو گمراہی میں چھوڑ کر اس کے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو کلمۂ نصیحت سنانے کے لیے خشکی و تری کا سفر کرے، اسی طرح یہ بات بھی بالکل فطری اور معقول معلوم ہوتی ہے کہ ہر داعیِ حق کو اپنی قوم کی زبان ہی کو اس کے اندر دعوت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ جو لوگ ان باتوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اصلی حقداروں کی حق تلفی بھی کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتِ کار کو برباد بھی کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں کے لیے وہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔ ہر آدمی جس قوم کے اندر پیدا ہوتا ہے اور اُن سے جس زبان کو اخذ کرتا ہے اس کے اندر کام کرنے کی جو صلاحیت وہ رکھتا ہے یا حاصل کر سکتا ہے دوسری قوم یا دوسری زبان کے اندر وہ مشکل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ہر داعیِ حق کے لیے صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کی زبان ہی کو اپنی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنائے اور اس بات کی ہرگز پروا نہ کرے کہ کوئی دوسری زبان اس کی اپنی زبان سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع ہے اور اس میں تقریر کرنا یا مضمون

لکھنا زیادہ وسیع حلقہ تک اپنے خیالات کو پہنچانے اور زیادہ عزت و شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایک داعی حق کے پیش نظر ولین شے یہ نہیں ہوتی کہ جو دعوت وہ لے کر اٹھا ہے اس کے زیادہ سے زیادہ کانوں تک پہنچ جانے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے بلکہ وہ سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کی ہدایت و خدمت پر وہ خدا اور فطرت کی طرف سے مامور ہے ان کے دلوں میں گھسنے کا سب سے زیادہ موثر اور قریبی ذریعہ کیا ہے۔ اگر وہ ذریعہ تنگ اور محدود ہے اور اس کے اختیار کرنے سے اس کی شہرت اور شخصیت کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ اسی کو اختیار کرتا ہے کیونکہ جو مقصد اس کے پیش نظر ہے اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ وہی ہے۔ جس دہقان کی جھولی میں چند بیج ہیں اور ان کو بہرحال وہ اپنے چھوٹے سے کھیت ہی میں بونا چاہتا ہے اسے اس سے کیا غرض کہ آج دنیا میں تخم ریزی کے ایسے آلات بھی پیدا ہو گئے ہیں جو چشم زدن میں ایک وسیع رقبہ کے اندر تخم ریزی کر دیتے ہیں! حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "میرے پاس جو روٹی ہے وہ بچوں ہی کے لیے کافی ہے، میں اس کو کتوں کے آگے ڈال کر بچوں کو بھوکا نہیں رکھ سکتا"۔ حضرت کے اس قول پر بعضوں نے نافہمی سے اعتراضات کیے ہیں اور ان پر العیاذ باللہ تنگ نظری کا الزام لگایا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل حقیقت ہے۔ ہر آدمی کے کام کرنے کا ایک فطری دائرہ ہے اور وہ صحیح اور نتیجہ بخش کام اسی وقت تک کر سکتا ہے جب تک اپنی جد و جہد کو اس دائرہ کے اندر محدود رکھے۔ اگر وہ اس سے بڑھکر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتا ہے تو حقیقت میں اپنی طاقت برباد کرتا ہے اگرچہ وہ اس مغالطہ میں مبتلا ہوتا ہے کہ اب اس کی جد و جہد کا میدان پہلے کی نسبت زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ ہمارے اس ملک میں بھی جو لوگ کسی حق یا باطل دعوت میں اپنا سرمایۂ زندگی لگائے ہوئے ہیں وہ وقت کی ترقی یافتہ زبانوں میں کمال رکھنے کے باوجود اپنے اظہار خیال کا ذریعہ انہی لوگوں کی زبان کو بنائے ہوئے ہیں جن کے اندر انھیں کام کرنا ہے، اور ان کو ہرگز اس بات کی پروا نہیں ہے کہ ایک محدود زبان میں کام کرنے کی وجہ سے ان کی شہرت و عظمت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے اندر ابھی مقصد کا سچا عشق نہیں پیدا ہوا ہے وہ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور شاید اسی طرح اڑتے رہیں گے۔

---

(۲) انبیا اور داعیوں کے کلام کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا کلام، کلامِ مبین ہوتا ہے۔ کلامِ مبین سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کی اس بولی میں گفتگو کرتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ خوبی اور صفائی کے ساتھ حرفِ مدعا کو قوم کے ہر حلقہ تک پہنچا سکے۔ اس میں نہ اغلاق و ابہام ہوتا ہے نہ غیر ضروری طوالت، نہ استعارات و تشبیہات کی کثرت ہوتی ہے نہ عقل آزما تلمیحات کی زیادتی۔ نہ ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے نہ رکاکتِ ابتذال کا کوئی شائبہ۔ دُھلی ہوئی زبان، بے تکلف استعارے، حقیقت کو مجاز کے بھیس میں دکھا دینے والی تشبیہیں اور تمثیلیں، مزید برآں سختی کے بجائے دلسوزی، خشونت کے بجائے لینت اور آرائشِ بیان کے بجائے سادگی اور صفائی۔ وہ اپنے وقت کی مختلف طرزوں (سٹائل) میں سے اس طرز کو اختیار کرتے ہیں جو وقار، اثر انگیزی اور وضاحتِ مقصد کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور اعلیٰ ہوتی ہے پھر اپنے نفس کی بلندی، اپنے ولولۂ دعوت کی گرمی و دلسوزی اور اپنے علم کی یقین آفرینی اور ایمان بخشی اور سب سے زیادہ اپنے مدعا کو سمجھانے کی گہری خواہش سے اس کو اس قدر ترقی دے دیتے ہیں کہ ایک نیا اسٹائل پیدا ہو جاتا ہے جو خود نمونہ اور مثال کا کام دینے لگتا ہے۔ اس سٹائل کی اصلی خصوصیت اس کی دلنشینی اور افہام کی صلاحیت ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کی روانی اور سادگی کی وجہ سے اس میں ایسی ادبی خوبی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں کے کلام بالکل بے جان معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اس کے لفظ لفظ سے رس ٹپکتا ہے اور فقرہ فقرہ سے روح کو غذا ملتی ہے۔ اس کی تاثیر سے نہ صرف افراد کی بلکہ قوموں کی زندگیاں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ایک داعیِ حق کے ہاتھ میں یہ وہ طاقت ہے جس کا مسلح فوجیں بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا نے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، اس کے لیے دعائیں کی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں دعوتِ دین کی اس مظلومیت پر ترس آتا ہے کہ یہاں جو حضرات اس فرض کو انجام دے سکتے تھے یعنی علمائے دین وہ ہمیشہ اپنی کج مج بیانی کے لیے بدنام رہے ہیں۔ اولاً تو یہ حضرات اس زبان میں لکھنے اور بولنے ہی کو کسرِ شان سمجھتے رہے جس زبان کو یہاں "لسانِ قوم" کی حیثیت حاصل تھی ثانیاً اگر اس میں لکھنا اور بولنا شروع بھی کیا تو ان کی ایک خاص زبان بن گئی

جو اپنی ثقالت، خشکی اور غیر ضروری طوالت یا مانع فہم ریجاز کے لیے مشہور ہے۔ اور کسی کتاب سے بدگمان کر دینے کے لیے یہ فقرہ بالکل کافی ہوتا ہے کہ اس کا طرز تحریر بالکل "مولویانہ" ہے۔ یہ صورت حالات بجائے خود نہایت رنجیدہ تھی لیکن مزید ستم یہ ہوا کہ یہ حضرات تو اپنی "ثقل زبانی" کے لیے بدنام رہے اور جو گروہ مذہب سے بے تعلق یا اس کا مخالف تھا اس نے قوم کی زبان پر قبضہ کر لیا اور اب تک بظاہر اسی کا قبضہ چلا آ رہا ہے۔

۳- انبیاء اور حق کے داعیوں کے کلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ایک مقصد کی طرف ہزار راہوں سے آتے ہیں۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس چیز کو تصریف آیات سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی ایک مدعا کو مختلف اسلوبوں اور پہلوؤں سے سمجھانے کی کوشش کرنا۔ میر انیس مرحوم کے الفاظ میں:

ع ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

داعی کے کلام میں یہ گوناگونی اس کے اصل مقصد یعنی افہام اور اتمام حجت کے لحاظ سے ضروری ہے۔ جو بات ایک پہلو سے نہیں سمجھ میں آتی وہی بات جب دوسرے پہلو سے سامنے آتی ہے تو اس طرح دل میں اتر جاتی ہے گویا ہمارے ہی دل کی بات تھی۔ آدمیوں کے مذاق طبیعت اور رجحان کی طرح ان کے دماغ کے کینڈے مختلف ہوتے ہیں اور حالات کے اختلاف سے ان کے رخ بدلتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے لازمی ہے کہ جو شخص ان کے دل میں کوئی بات، مسلک زندگی کی حیثیت سے، اتارنے کا درد رکھتا ہو وہ ان کے کینڈے کے اختلاف اور رخ کی تبدیلی کے لحاظ سے مختلف سمتوں سے ان کے پاس آئے۔ اگر ایک ہی راہ سے، ایک ہی رنگ میں آئے گا، تو ایک داعی کی حیثیت سے وہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے گا کیونکہ اس کی یہ یکرنگی اس فطرت کے بالکل خلاف ہے جو اپنے ہر گوشہ میں تنوع پسند اور رنگا رنگ واقع ہوئی ہے۔ جو لوگ داعی کے فرض کی نوعیت اور انسانی فطرت کے ان احوال سے واقف نہیں ہیں ان کے سامنے جب

داعیانہ کلام آتا ہے تو وہ اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ اس میں غیر ضروری طوالت ہے، اس میں ایک ہی بات کی تکرار ہے، یہ تھکا دینے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ اس بات پر نہیں غور کرتے کہ ایک داعی کا کام ایک اکیڈمک طرز کے مضمون نگار سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اُس کے پیشِ نظر صرف چند یکرنگ آدمیوں کے سامنے اپنے خیال کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور اِس بیچارے کو مختلف المزاج، مختلف الفطرت، اور مختلف الاستعدادوں کے اندر اپنی بات اتارنے کے لیے راہ پیدا کرنی پڑتی ہے۔ اُس کی کامیابی کے لیے یہ بس ہے کہ اس نے اپنا مافی الضمیر ایک خوبصورت اسلوب سے ادا کر دیا اور اس کی کامیابی کے لیے یہ شرط ہے کہ دوست دشمن سب پکار اٹھیں کہ تو نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ہم اپنے دلائل مختلف ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ جائیں اور پکار اٹھیں کہ تم نے سنانے کا حق ادا کر دیا اور تاکہ ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم پوری طرح اس کو واضح کر دیں۔

۴۔ دعاۃ حق کے کلام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح وہ حجت و استدلال سے مملو ہوتا ہے اسی طرح جوش اور جذبہ سے بھی لبریز ہوتا ہے۔ وہ خشک فلسفیوں کی طرح صرف عقل ہی کو خطاب نہیں کرتے بلکہ انسان کے اعلیٰ جذبات سے بھی اپیل کرتے ہیں۔ جذبات سے اپیل کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔ برائی اگر ہے تو انسان کے حیوانی جذبات سے اپیل کرنا ہے جس سے اہلِ حق ہمیشہ احتراز کرتے رہے ہیں۔ انسان کے اندر اصلی محرک طاقت عقل نہیں ہے بلکہ جذبات ہیں اس وجہ سے کوئی داعی، جو زندگی کے نظام میں کسی تبدیلی کی دعوت لے کر اٹھا ہو یا پورے نظامِ زندگی کو ڈھا کر اس کو ازسرِ نو نئی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہو، بغیر جذبات کو ابھارے اپنے مقصد کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو حضرات اپنی علمی تحقیقات کے نوادر و لطائف بیان کر کے دوسروں کو محظوظ کر دینے اور اپنا جی خوش کر لینے کو مقصودِ زندگی بنائے ہوئے ہیں وہ اس داعیانہ رنگ کو "مدعیانہ رنگ" سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ ایک داعی کے کلام میں جو جوش و جذبہ ہوتا ہے وہ ادعاء کا نتیجہ نہیں

ہوتا ہے بلکہ یا تو یہ اس کے اس اعتقاد راسخ (Conviction) کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس کے دل کے اندر جوش مار رہا ہوتا ہے یا اس ہمدردی اور دل سوزی کا اثر ہوتا ہے جس کی آگ اس کے سینہ کے اندر بھڑک رہی ہوتی ہے۔ جو لوگ ایک داعی کی اس خاص حالت سے واقف نہیں ہوتے اور محض قرطاس وقلم کے مشغلہ کے اشتراک کی وجہ سے بھی اپنا ایک ہم مشرب سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ اس کا کلام ان کے کلام کی طرح مردہ اور بے روح نہیں ہے بلکہ زندہ اور زندگی بخشنے والا ہے تو وہ اس کے جوش کو غرور اور ادعا پر محمول کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ شکل وصورت کے اتحاد کے باوجود سیرتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ ضرور نہیں کہ ہر سفید چیز چربی ہی ہو۔

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار   فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے آنکھیں سرخ ہوجاتیں، آواز بھاری ہوجاتی جوش تیز ہوجاتا یہاں تک معلوم ہوتے لگتا کہ آپ کسی دشمن فوج کے آپڑنے کے خطرہ سے آگاہ کررہے ہیں، فرماتے وہ تم پر صبح کو آپڑے یا شام کو"۔ ظاہر ہے کہ آپ کے کلام میں یہ گرمی آپ کے یقین اور قوم کے ساتھ ہمدردی کے جذبہ سے پیدا ہوتی تھی اور ہر سچے داعی پر اس طرح کی حالت طاری ہو سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض لوگ بالکل نمائشی طور پر اس جوش وجذبہ کا اظہار کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات دعاوی اور شطحات پر اتر آتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شخص ایسا ہی ہو۔ جو لوگ جھوٹے ہوتے ہیں وہ زیادہ دنوں تک اپنے جھوٹ کو چھپا نہیں سکتے۔ زمانہ کھرے کھوٹے میں امتیاز کر ہی لیتا ہے۔ کوا نمائشی پر لگا کر کب تک طاؤس بنا پھرے گا!

۵۔ پانچویں خصوصیت ان کے کلام کی یکرنگی اور وحدتِ مقصد ہے۔ وہ اپنے ترکش کا ہر تیر ایک ہی نشانہ پر مارتے ہیں۔ پیشہ ور مضمون نگاروں اور مقرروں کی طرح ان کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ آپ ان سے

جس پلیٹ فارم پر چاہیں تقریر کرالیں، جس عنوان پر چاہیں مضمون لکھالیں اور جس جلسہ کی چاہیں صدارت کرالیں۔ وہ اپنے لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ کو اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھتے ہیں، وہ اس کے مصرف کے سوا کہیں اس کو ضائع نہیں کرتے۔ آپ ان کی ہر تحریر و تقریر میں ایک ہی صدا پائیں گے۔ دوسرے موضوع کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ان پر تقریر و تحریر سے کتنی ہی بڑی عزت و شہرت کیوں نہ حاصل ہوتی ہو اور گو بظاہر ان میں دینی و ملی فوائد کا کوئی پہلو بھی کیوں نہ نظر آتا ہو لیکن وہ کسی غیر متعلق یا ضمنی چیز پر اپنی زبان اور قلم کی قوت صرف نہیں کرتے۔ اس چیز کو قرآن نے فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (ہر وادی میں بھٹکنے) سے تعبیر کیا ہے اور انبیاء اور صلحاء کو اس سے بری قرار دیا ہے۔ اس دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں برا یا بھلا کوئی انقلاب اگر پیدا ہوا ہے تو ان لوگوں کے زبان و قلم سے ہوا ہے جنھوں نے اپنی ساری قوت کسی متعین ہدف پر صرف کی ہے، یوں ہی ہوا میں تیر نہیں پھینکتے رہے ہیں۔

۶۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کلام کو ہر اس چیز سے پاک رکھتے ہیں جو مخاطب کے اندر ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا کرے کیونکہ یہ چیز ان کے مقصد کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً مخاطب سے گفتگو کے وقت نہ تو اپنی برتری کا اظہار کرتے، نہ اس کی غلط زندگی پر بانداز استخفاف تنقید کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں نرمی اور ہمدردی کے ساتھ کہتے ہیں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى — فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہوگیا ہے اور اسے نرمی سے سمجھاؤ تاکہ یاددہانی حاصل کرے یا ڈرے۔

اسی طرح وہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جس سے مخاطب کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔ دلائل سے اس کے غلط مزعومات کی پرزور تردید تو کرتے ہیں لیکن خواہ مخواہ تخفیف الفاظ استعمال کرکے اپنے مقصد کو خود نقصان نہیں پہنچاتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ — اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو کہ وہ بے جانے بوجھے اللہ کو گالی دے بیٹھیں۔

مخاطب کی ترش کلامی اور بدسلوکی کا جواب بھی شیریں کلامی سے دیتے ہیں کیونکہ ایک داعی حق کے لیے دلوں کے اندر راہ پانے کا طریقہ یہی ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ
اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ
بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ
صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ
مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(حٰمٓ السجدہ)

برائی اور بھلائی دونوں یکساں نہیں ہو سکتیں برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جو تمھارا دشمن تھا اب وہ تمھارا دوست بن گیا ہے۔ اور یہ حکمت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کو ملتی ہے جو بڑے نصیبہ ور ہوتے ہیں۔ اگر تمھارے دل میں شیطان کی طرف سے کوئی وغدغہ پیدا ہی ہو جائے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈھو وہ سننے والا ہے۔

مناظرانہ انداز کلام سے ہمیشہ بچتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر مخاطب کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ مناظرہ پر اتر آیا ہے تو داعی حق سلام کر کے وہاں سے چل دیتا ہے کیونکہ مناظرہ اور دعوت حق میں تضاد ہے۔

فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ
اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ
اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

(الحج)

پس وہ اس معاملہ میں تم سے جھگڑنے کی کوئی راہ نہ پائیں اور تم اپنے رب کی طرف دعوت دو، تم ایک سیدھی راہ پر ہو۔ اگر وہ تم سے مناظرہ کرنا چاہیں تو کہدو اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو تمھارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کریگا ان چیزوں کے بارہ میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔

مناظرہ اگر کرتے بھی ہیں تو نہایت بہتر طریق پر یعنی اپنے اور مخاطب کے درمیان قدر مشترک تلاش کر کے اس کے لوازم و نتائج کی دعوت دیتے ہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ
هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا
اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ
وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ
(۶ عنکبوت)

اور اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر اس طریق پر جو بہتر ہے سوا ان کے جنھوں نے ظلم کیا ان میں سے، اور کہو ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہم پر اتاری گئی اور تمھاری طرف اتاری گئی اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

۷۔ داعیٔ حق کے کلام کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ لفظ اور معنی، طول اور اختصار، انداز بیان اور لب و لہجہ میں سننے والے کی نفسیات کا لحاظ رکھتا ہے۔ مثلاً حضور نے فرمایا خوش خبری دو، لوگوں میں نفرت نہ پیدا کرو۔

اسی طرح آپ نے تاکید فرمائی کہ جب نصیحت کرو تو مختصر کرو؛ خطبہ کے اختصار کو خطیب کی فقاہت کی علامت قرار دیا۔

يقول ان طول صلوٰة الرجل و قصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلوٰة واقصروا الخطبة وان من البيان لسحرا	فرماتے تھے آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے تو نماز کو لمبی کرو اور خطبہ کو مختصر کرو اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

اگر مخاطب کم فہم ہو یا بات باریک ہو تو اس کی تکرار اولیٰ ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه	آنحضرت کوئی بات فرماتے تھے تو اسے تین بار دہراتے تھے تاکہ خوب سمجھ میں آجائے ۔۔۔ ۔۔۔

یہ چند باتیں دعوت کی زبان سے متعلق قابل لحاظ ہیں۔ آئندہ صحبت میں داعی کے طرزِ استدلال سے متعلق انشاء اللہ چند ضروری باتیں آئیں گی۔

اہم تجاویز

جو جماعت اسلامی کے اجتماع عام منعقدہ الہ آباد میں طے ہوئیں

۱- تربیت گاہ

آئندہ ماہ جولائی سنہ ۴۶ء کے آغاز سے تربیت گاہ کا کام عملاً شروع کر دیا جائے گا اور اس کی تفصیلی شکل یہ ہوگی :-

۱- فی الحال ہم صرف پندرہ پندرہ آدمیوں کی جماعتیں بیک وقت بلائیں گے اور بالعموم ان کو ایک مہینہ تک مرکز میں رکھیں گے جن لوگوں کو اس سے زیادہ مدت رہنے میں کوئی زحمت نہ ہو اور ان کو زیادہ مدت ٹھیرانے کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہو ان کی مدت قیام تین مہینے تک وسیع ہو سکے گی اور جن لوگوں کے لیے ایک مہینہ ٹھیرنا بھی مشکل ہو ان کو کم سے کم پندرہ دن ٹھیرنا ہوگا

۲- اس تربیت گاہ کے کورس سے ہر رکن جماعت کو جو مرکز میں نہیں ہے لازماً گذرنا پڑیگا بجز ایسے لوگوں کے جن کو اس لزوم سے مستثنیٰ کر دیا جائے مگر تربیت گاہ میں آنے کا وقت اور تاریخ اور زمانۂ قیام مقرر کرنے میں ارکان کی سہولت کا حتی الامکان خیال رکھا جائے گا۔

۳- جون سے پہلے پہلے تمام مقامی جماعتیں اپنے ارکان سے دریافت کریں کہ ان کے لیے کن تاریخوں میں مرکز جانے میں سہولت ہوگی، اور اگر کسی شخص کی بتائی ہوئی تاریخ پر اُس کو نہ بلایا جا سکے تو پھر اُس کے لیے کونسی تاریخ موزوں ہوگی۔ یہ تمام فہرستیں تاریخوں کی تصریح کے ساتھ پندرہ جون تک ناظم تربیت گاہ کے نام بھیجدی جائیں اور منفرد ارکان بھی اپنی سہولت کی تاریخ سے ناظم تربیت گاہ کو مطلع کریں۔

۴- تربیت گاہ کے قیام کے مصارف نیز سفر کے مصارف ہر رکن کو یا تو خود برداشت